خلاصہ خطابات

محمد اسلم صدیق

جامعة لاهور الاسلامية
میں مبلغین کیلئے تربیتی ورکشاپ

جمعية إحياء التراث الاسلامي کویت کی ایک فلاحی تنظیم ہے جو دنیا بھر میں اسلامی ورثے اور روایات کے تحفظ کا مشن رکھتی ہے اور اسی مشن کے تحت اپنی متنوع سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے برسہا برس سے مصروفِ عملہے۔ پاکستان کے اطراف واکناف میں بھی اس تنظیم سے مبلغین ودعاۃ کی ایک بڑی تعداد وابستہ ہے جومختلف مساجد میں خطابت وامامت یا دینی مدارس میں تعلیم وتدریس کی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔ ان حضرات کی تربیت کے لئے وقتاً فوقتاً ریفریشر کورسوں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جس کے لیے بالخصوص موسم گرما کی تعطیلات سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک تربیتی کورس کے لیے گذشتہ دنوں جامعہ لاہور الاسلامیہ میں جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کی طرف سے ملک گیر تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا۔ ہفتہ بھر کی اس ورکشاپ میں ڈیڑھ صد کے قریب اہل علم نے شرکت کی جنہیں ملک کے مایہ ناز اہل علم ودانش نے دورِ حاضر کے اہم علمی ودعوتی موضوعات پر لیکچرز دیے۔

ورکشاپ کا مرکزی موضوع **'دورِ حاضر میں دعوتِ اسلام کو درپیش چیلنج'** تھا۔ صبح ۸ بجے سے شام ۷ بجے تک روزانہ پانچ لیکچرز دیے جاتے اور ہر لیکچر کے بعد سوالات کا وقفہ بھی ہوتا۔ اس تربیتی ورکشاپ کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ اسلام کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں اور شکوک وشبہات سے علماے کرام کو آگاہ کیا جائے تاکہ وہ معاشرے میں مؤثر اور فعال کردار ادا کر سکیں۔ ورکشاپ میں بعض اہم موضوعات پر سیمینار اور سمپوزیم کا اہتمام بھی کیا گیا۔

یہ ورکشاپ جامعہ لاہور الاسلامیہ کے مدیر حافظ عبدالرحمن مدنی کی زیر سرپرستی منعقد ہوئی اور جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کی طرف سے اس کی نظامت کے فرائض حافظ محمد اسحٰق زاہد نے

انجام دیے۔ حافظ صاحب موصوف نے شرعی اور سماجی علوم کی تعلیم جامعہ لاہور الاسلامیہ سے حاصل کی، بعدازاں مدینہ منورہ یونیورسٹی کی حدیث فیکلٹی سے لیسانس کی ڈگری خصوصی امتیاز سے حاصل کی اور فراغت کے بعد آپ جامعہ لاہور الاسلامیہ میں ایک عرصہ بطورِ مدرّس اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ گذشتہ چند سالوں سے آپ کویت میں قیام پذیر ہیں، جہاں آپ اپنی علمی اور دینی مصروفیات کے علاوہ جامعہ لاہور الاسلامیہ اور ماہنامہ 'محدث' کی نمائندگی بھی کررہے ہیں۔

۲۳ر جولائی ۲۰۰۵ء، ہفتہ سیمینار ہمدرد سنٹر، لاہور

اس فکری اور تربیتی ورکشاپ کے آغاز پر ۲۳ر جولائی ۲۰۰۵ کو ہمدرد سنٹر لاہور میں چیئرمین سینٹ آف پاکستان جناب محمد میاں سومرو کی زیر صدارت 'اسلام اور دہشت گردی' کے موضوع پر ایک بین الجماعتی سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں لندن میں حالیہ بم دھماکوں کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال پر مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندگان کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی تھی۔ تقریب کی مفصل کارروائی کے لئے محدث کے اسی شمارے میں شائع شدہ رپورٹ کا مطالعہ کریں۔ چار گھنٹے جاری رہنے والی یہ تقریب نمازِ ظہر پر اختتام پذیر ہوئی۔

* اسی روز عصر کے بعد ورکشاپ کے دوسرے سیشن کا آغاز مجلس التحقیق الاسلامی کے ایئر کنڈیشنڈ ہال میں ہوا۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ کے اُستاذ مولانا محمد شفیق مدنی نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیتے ہوئے جامعہ کے اُستاذ قاری عارف بشیر کو تلاوتِ قرآن مجید کی دعوت دی۔ ان کی پُرسوز تلاوت نے حاضرین پر تقدس کا پرکیف سماں طاری کردیا تھا۔

* سب سے پہلے جامعہ کے شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ خاں مدنی حفظہ اللہ کو "الطائفة المنصورة ومنهجها" کے موضوع پر اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی۔ حافظ صاحب موصوف نے اپنے ایک گھنٹے کے افتتاحی عربی خطاب میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان: «لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين حتى يأتي أمر الله وهم ظاهرون» وفي رواية «ظاهرين علىٰ الحق لا يضرهم من خذلهم» اور نبی ﷺ کی وضاحت کہ اس سے مراد «ما أنا عليه وأصحابي» کی روشنی میں اس طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ کے اَوصاف اور

خصوصیات کا تذکرہ کیا۔ خطاب میں آپ نے ابن تیمیہؒ کے اس قول کو ذکر کیا کہ

''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت، آپؐ کے حالات اور آپؐ کی احادیث کو اُمت میں سے سب سے بڑھ کر جاننے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے قرآن وسنت کی معرفت اور ان کے ظاہر و باطن کی پہچان، ان سے محبت اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کا حق ادا کردیا۔'' اور بقول امام اللالکائیؒ:

''اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے علم واستدلال کا مرکز رسول اللہ ﷺ کا علم ہے، جو آپؐ کی احادیث کی اتباع کی جستجو کرتے ہیں اور یہی لوگ فرقہ ناجیہ منصورہ ہیں۔''

اور بقول شاہ ولی اللہ دہلویؒ: ''فرقہ ناجیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو عقیدہ وعمل میں کتاب وسنت نیز صحابہؓ وتابعینؒ کے منہج پر کاربند ہیں۔''

اس کے بعد اُنہوں نے عظیم ائمہ حدیث وفقہا کے اَقوال کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ ان صفات کے حامل اہل السنۃ والجماعت اور اہل الحدیث ہیں۔ مثلاً علیؒ بن مدینی نے فرمایا کہ اس طائفہ سے مراد 'اصحابُ الحدیث' ہیں۔ امام احمدؒ کا قول ہے کہ ''إن لم یکونوا أهل الحدیث فلا أدري من هم'' ''اگر اس سے مراد اہل الحدیث نہیں ہیں تو پھر مجھے نہیں معلوم کہ اس سے مراد کون ہیں؟''

اُنہوں نے غنیة الطالبین کے حوالہ سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا یہ قول ذکر کیا:

''وأما الفرقة الناجیة فهي أهل السنة والجماعة، وأهل السنة لا إسم له إلا إسم واحد وهو أصحاب الحدیث''

''نجات یافتہ گروہ اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہے۔ اور اہل سنت کا کوئی نام نہیں سوائے اصحاب الحدیث کے۔''

اس کے علاوہ اُنہوں نے ابن تیمیہؒ، امام اللالکائیؒ اور ابن قیمؒ وغیرہ متعدد ائمہؒ کے اقوال کا تذکرہ کیا جنہوں نے الطائفة المنصورة کا مصداق اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل الحدیث کو قرار دیا ہے اور امام نوویؒ کے حوالہ سے بتایا کہ اس سے مراد کوئی خاص فرقہ نہیں ہے بلکہ وہ لوگ ہیں جو مذکورہ صفات کے حامل ہیں۔

* اس دن کا دوسرا خطاب مولانا ارشادالحق اثری (مدیر ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد) کا تھا۔

مولانا اثری نے ''ضعیف اور موضوع احادیث کے خطرات اور فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کا حکم'' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اُمت ِمسلمہ میں اختلاف کا بڑا سبب ضعیف وموضوع روایات کے چلن اوران پر اعتماد کو قرار دیا کہ جہاں فضائل تو درکنار عقیدہ کے مسائل کو بھی ضعیف اور موضوع روایات کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔

اس کے بعد اُنہوں نے ضعیف حدیث پر عمل کے سلسلہ میں علما کے تین اَقوال کا تذکرہ کرتے ہوئے دلائل سے یہ ثابت کیا کہ ضعیف اور موضوع روایت عقیدہ، عبادات و معاملات ذکر اذکار، فضائل اعمال میں بھی ناقابل قبول ہے اور یہی موقف ابن سید الناس، یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، ابن حبان، ابن حزم، ابن العربی اور امام شوکانی رحمہم اللہ کا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ جب عام معاملہ میں عادل گواہ شرط ہے اور فاسق کی بات قابل قبول نہیں تو پھر دین کے معاملہ میں یہ احتیاط کیوں نہ ملحوظ رکھی جائے۔ اُنہوں نے کہا کہ بعض ایسی روایات کو بھی حدیث بنا کر پیش کیا گیا ہے جو جھوٹے راویوں سے بھی ثابت نہیں اور ان کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یہ شاید ان کتابوں میں ہوں جو سقوطِ بغداد میں دریا برد ہوگئی ہوں۔ اُنہوں نے کہا کہ اگر اس احتمال کو تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دین دریا برد ہوگیا اور اس کے بعد دین کی حفاظت کا دعویٰ بھی باطل ہوکر رہ جائے گا۔

نیز اُنہوں نے ضعیف + ضعیف = ضعیف کے اُصول کو غلط قرار دیا اور کہا کہ محدثین کا اُصول یہ ہے کہ روایت کے تمام طرق کو جمع کرکے اس کو پایۂ ثبوت پر لایا جائے۔

دوسرا دن اتوار: ۲۴/ جولائی ۲۰۰۵ء

* تلاوتِ کلام پاک کے بعد صبح ۸ بجے ڈاکٹر حافظ محمد انور نے 'فرقہ پرستی؛ اسباب اور اس کا حل' کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے قرآن وسنت کے دلائل سے تفرد اور فرقہ پرستی کو اُمت ِمسلمہ کے لئے زہر قاتل اور ایک ناسور قرار دیا۔ اُنہوں نے بتایا کہ جس طرح دورِ جاہلیت کے عرب سیاسی اور معاشرتی خلفشار کا شکار ہونے کی وجہ سے غیروں کے محکوم ہوگئے تھے، اسی طرح آج اُمت ِمسلمہ کی سیاسی وحدت پارہ پارہ اور تفرقہ کا شکار ہے۔ حکمران طبقہ کافروں کا حلیف اور عوام الناس دوسری طرف کھڑے ہیں اور مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے۔

اس کے بعد اُنہوں نے اس تفرق کے اخلاقی، دینی اور سیاسی اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے بلاتحقیق ہر کسی کی بات پر یقین کرنے اور اس پر فوری ردعمل کے اظہار کو اس تفرق کا اہم سبب قرار دیا اور کہا کہ آج مغربی میڈیا مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے یہی حربہ استعمال کررہا ہے۔ نیز اُنہوں نے سورۂ حجرات کی روشنی میں تمسخر، بدگمانی، غیبت وغیرہ کو تفرق کے اَخلاقی اسباب اور قرآن وسنت اور صحابہؓ کے منہج سے دستبرداری کو اس کا اہم دینی سبب قرار دیتے ہوئے اس کا علاج یہ تجویز کیا کہ اتباعِ نفس سے دست کش ہوکر ہر کام کی بنیاد تقویٰ اور خدا خوفی پر رکھی جائے اور الحب لله والبغض في الله کے اُصول پر عمل کیا جائے۔

* **پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی** نے 'منکرین سنت کے شبہات اور ان کا ردّ' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے سنت اور حدیث کی لغوی، اصطلاحی تعریف اور ان کا باہمی تعلق بیان کیا اور مختلف حوالوں سے واضح کیا کہ محدثین کے نزدیک 'حدیث وسنت' ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔

اُنہوں نے عقلی اور نقلی دلائل سے سنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے واضح کیا کہ سنت کے بغیر قرآن کو صحیح سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ناممکن ہے اور اس کے بعد متعدد ایسی قرآنی آیات پیش کیں جنہیں حدیث کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا۔

انہوں نے انکارِ حدیث کی تاریخ کا اختصار سے ذکر کرتے ہوئے منکرین حدیث کے کم وبیش ۱۵ شبہات کا ذکر کرنے کے بعد تفصیل سے ان کا ردّ پیش کیا اور ثابت کیا کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت روزِ قیامت تک فرض ہے، کیونکہ آپؐ کی نبوت عالمگیر ہے، نیز حدیث کو ظنی قرار دینا محض دھوکہ اور سازش ہے اور آخر میں دلائل سے ثابت کیا کہ بیشتر صحابہؓ کے پاس حدیث کے صحیفے لکھے ہوئے موجود تھے، لہٰذا مستشرقین اور منکرین حدیث کا یہ اعتراض باطل ہے کہ حدیث دوسری اور تیسری صدی ہجری میں لکھی گئی۔

* **حافظ عبدالرحمن مدنی** حفظہ اللہ مدیر جامعہ لاہور الاسلامیہ نے 'فکر غامدی اور اس کے خطرات' کے موضوع پر نہایت پرمغز لیکچر ارشاد فرمایا۔ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کے قول ''ہم جاہلیت کو جانے بغیر اسلام کو نہیں جان سکتے!'' سے استدلال کرتے ہوئے دورِ حاضر کے فتنوں اور

انحرافات کو جو دراصل خوارج، جہمیہ اور معتزلہ کا نیا روپ ہیں، سمجھنے کی اہمیت پر زور دیا۔

اُنہوں نے فرقہ غامدیہ کے گمراہ کن نظریات، مثلاً افغانستان و عراق پر امریکی جارحیت کو جائز اور اسامہ اور ملا عمر کو جارحیت کا مجرم قرار دینا، مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح جہاد اور نزولِ عیسیٰ کا انکار، رسول اللہ ﷺ پر موسیقی اور ناچ گانا سننے کا الزام عائد کرنا، تصویر اور مجسمہ سازی، ویلنٹائن ڈے اور بسنت جیسے مغربی اور ہندوانہ رسوم و رواج کو جائز سمجھنا اور مردوں کے لئے عورت کی امامت کے جواز کے فتویٰ کو اُمت کے اجتماعی رویہ سے انحراف قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ یہ دراصل پرویز مشرف کے پرفریب ایجنڈے: 'روشن خیال اور اعتدال پسند اسلام' کو آگے بڑھانے کی منظم کوشش ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے محدثین کے اُصولوں کو من مانا مفہوم پہنا کر انکارِ حدیث کے جو دروازے کھولے اور خود ساختہ اُصول وضع کئے، ان سے فائدہ اٹھا کر اس اعتزالی فرقہ نے اسلام کا حلیہ بگاڑنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

اُنہوں نے یونیورسٹیوں کے اندر پروان چڑھنے والے اس رویہ کہ ''صرف قرآن سے دلیل پیش کرو'' کو انتہائی خطرناک قرار دیتے ہوئے دلائل سے ثابت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر طرزِ عمل شریعت ہے، اِلا کہ آپؐ خود واضح کردیں کہ یہ میرا ذاتی فعل ہے، مثلاً رسول اللہ ﷺ کا پیوندکاری سے منع کرنا اور گوہ کا گوشت نہ کھانا۔

اُنہوں نے واضح کیا کہ حدیث و سنت ہم معنی ہیں اور ان کے درمیان فرق صرف اعتباری ہے، لہٰذا سنت سے صرف تواترِ عملی (جو اُمت میں عام رائج ہوجائے) مراد لینا غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک دفعہ کسی کام کو کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ بات اسلامی شریعت کا ضروری حصہ ہے۔ اب اس بنیاد پر کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ سنت اُمت میں رائج نہیں ہوسکی، اسے حدیث قرار دے کر سرے سے اس کا انکار کردینا کہاں کا انصاف ہے؟

اُنہوں نے کہا کہ یہ انتہائی بددیانتی اور دھوکہ ہے کہ ایک اصطلاح کے واضعین نے اس کا جو مفہوم متعین کیا ہے، اس سے انحراف کرکے اسے اپنی مرضی کا مفہوم پہنا دیا جائے۔

شیعہ جو اپنے ائمہ کے اجتہاد کو معصوم قرار دیتے ہیں، اس کا ردّ کرتے ہوئے اُنہوں نے واضح کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کا اجتہاد بھی معصوم نہیں ہے اور معصوم ہونے کا بھی

مطلب یہ نہیں کہ آپؐ سے غلطی ہوتی نہیں تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کو اس اجتہادی غلطیؐ پر فوراً متنبہ کردیا جاتا تھا۔ اُنہوں نے 'فقہ اور شریعت کا فرق' بیان کرتے ہوئے واضح کیا کہ فقہ علما کی اجتہادی کاوشوں اور شریعت کتاب وسنت کا نام ہے اور اجتہاد شریعت نہیں بلکہ شریعت کی تعبیر ہے جس میں غلطی کا امکان بہرحال موجود ہے۔

عصر کے بعد دوسرے سیشن کا آغاز قاری عبدالسلام صاحب کی تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد

* **پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر** نے 'اہل السنہ اور شیعہ کے اُصولِ حدیث کا تقابلی جائزہ' کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ اُنہوں نے شیعہ کے مخصوص عقائد تقیہ وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے واضح کیا کہ روافض نے فضائل میں تین لاکھ احادیث وضع کیں۔

اُنہوں نے شیعہ کے اُصولِ حدیث کا ذکر کرتے ہوئے واضح کیا کہ شیعہ حضرت علیؓ اور ان کے ماسوا ۱۵ اصحابہ کے علاوہ تمام صحابہؓ پر جرح کرتے ہیں اور ان ۱۵ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں لیتے۔ اُنہوں نے شیعہ کی کتبِ صحاح کا تعارف کرواتے ہوئے ان کی مستند ترین کتاب الصحیح الکافي کا الصحیح البخاري سے تقابلی جائزہ پیش کیا اور واضح کیا کہ صحیح بخاری ومسلم کے تمام رواۃ "قد جاوز القنطرة" ہیں، لیکن الصحیح الکافي میں بعض مجہول اور ضعیف رواۃ موجود ہیں۔

* **حافظ حسن مدنی** مدیر ماہنامہ 'محدث' نے 'دعوت وتحقیق کے میدان میں کمپیوٹر سے استفادہ' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے دورِ حاضر میں کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی اہمیت پر مثالوں کے ذریعے سے روشنی ڈالی۔ خطاب کے آغاز میں اُنہوں نے کمپیوٹر کو استعمال کرنے کی شرعی حیثیت پر بحث کی اور کہا کہ اس کا جواز اس کے اچھے برے استعمال کے تابع ہے۔ اپنے خطاب میں ٹی وی اور کمپیوٹر کا تقابل کرتے ہوئے انہوں نے کمپیوٹر کی اہمیت پر ۵ نکات ذکر کیے اور اس کے حسبِ ذیل تین امتیازات کا تذکرہ کیا:

کمپیوٹر میں مختصر جگہ پر زیادہ سے زیادہ عبارت کو سمویا جاسکتا ہے۔ اس نکتے کے تحت اُنہوں نے متعدد کتب پر مشتمل سی ڈیز کا تعارف کراتے ہوئے سامعین کو ان سے استفادہ کی ترغیب دی۔ دوسرے امتیاز کی نشاندہی کرتے ہوئے اُنہوں نے کمپیوٹر میں درج ہوجانے والی

تمام عبارت کو حروفِ ابجد کی مدد سے تلاش کرنے کی سہولت کا تذکرہ کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ کسی مفہوم تک پہنچنے میں الفاظ بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اگر ملتے جلتے الفاظ تک پہنچنا ممکن ہوجائے تو اس سے گویا مکمل کتاب کا ایک حد تک انڈیکس حاصل ہوجاتا ہے۔ اُنہوں نے احادیث کی کتابی فہارس کے بالمقابل کمپیوٹر فہارس کے وسیع امکانات کو تفصیل سے بیان کیا۔ تیسرے امتیاز کے طور پر اُنہوں نے معلومات کو ایک دوسرے سے منسلک اور ملحق کرنے کی صلاحیت کو ذکر کیا۔ اس نکتہ کے تحت اُنہوں نے کمپیوٹر پر احادیث اور فقہی مسائل کے موضوعاتی فہارس، اسماء الرجال اور الیکٹرونک ترجمہ وغیرہ کے پروگراموں کا تعارف کرایا۔

خطاب کے دوسرے حصہ میں انٹرنیٹ کے بارے میں بتاتے ہوئے اُنہوں نے دیگر مذاہب کے اپنی دعوت میں انٹرنیٹ کو استعمال کرنے کے اَعداد وشمار پیش کئے، انٹرنیٹ پر دعوت وتبلیغ کے مختلف اسالیب کی نشاندہی کرتے ہوئے اُنہوں نے اہم اسلامی ویب سائٹس کی نشاندہی کی جن کے ذریعے سے اسلامی کتب، مخطوطات، خطباتِ جمعہ اور احادیث وغیرہ کو اپنے کمپیوٹر پر اُتارا جاسکتا ہے۔ اپنے خطاب کے آخر میں اُنہوں نے تحقیق کے میدان میں ایک مسلم اور غیر مسلم کو دستیاب سہولتوں اور جدید آلات کا ایک نقشہ پیش کرتے ہوئے اس امر کی طرف حاضرین کی توجہ مبذول کرائی کہ ان کو استعمال نہ کرنے سے مسلمانوں کے تحقیقی کام میں کس قدر مشکلات حائل ہوجاتی ہیں۔

تیسرا دن سوموار: ۲۵؍جولائی ۲۰۰۵ء

اس روز صبح کے سیشن میں 'سلفی دعوت کا آغاز و ارتقا، خصوصیات، کمزوری کے اسباب، راستے میں حائل رکاوٹیں، اور اس دعوت کو پروان چڑھانے کے طریقے' کے موضوع پر ایک مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا تھا، جس کے شرکا میں ڈاکٹر سہیل حسن، مولانا محمد اسحق بھٹی، شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی اور حافظ عبدالرحمن مدنی حفظھم اللہ شامل تھے۔

* پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن جامعہ الامام سے پی ایچ ڈی کرنے کے بعد اس وقت بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں شعبہ قرآن وسنت کے چیئرمین ہیں۔ آپ نے سلفی دعوت کے خصائص؛ توحید، اتباعِ رسول اور تزکیہ نفس اور اس کے ذریعے سے ایسے معاشرہ کا

قیام جو اِن صفات سے متصف ہو، کا تذکرہ کرتے ہوئے ان اثرات کا تفصیل سے جائزہ لیا جو اس دعوت کے نتیجے میں دنیا اور خصوصاً ہندوستان پر مرتب ہوئے۔

اُنہوں نے کہا کہ اس علمی اور فکری تحریک کی دعوت سے فقہی جمود ٹوٹا، کتبِ حدیث کو فروغ حاصل ہوا، ان کی شروحات اور حاشیے لکھے گئے، جس کی وجہ سے احناف میں بھی کتب احادیث کے حواشی لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی اور صدیوں سے فقہی جمود تلے دبا ہوا یہ رویہ دوبارہ زندہ ہوا کہ دین کی اصل بنیاد کتاب وسنت ہے۔ مدارس کا قیام عمل میں آیا، جس سے ایسے جید علما پیدا ہوئے جن کی بازگشت عالم عرب میں بھی سنی گئی اور پھر وہاں سے لوگ ہندوستان حصولِ علم کے لئے آئے۔ ان علما کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے برصغیر میں اہل حدیث کی خدمت حدیث پر بعض علماے عرب کے خیالات بھی پیش کئے۔ آپ نے کہا کہ

تصنیف وتالیف کے میدان میں اس دعوت کے حاملین نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ قرآن کی تفاسیر اور احادیث کی متعدد شروحات لکھی گئیں، اس سلسلہ کی بے شمار شخصیات ہیں جن میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ، مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ سرفہرست ہیں اور پھر اسی تحریک کے حاملین نے ہندوستان میں سب سے پہلے 'جہاد' کا میدان سجایا۔

٭ نامور مؤرخ اور متعدد کتب کے مصنف **مولانا اسحٰق بھٹی** حفظہ اللہ نے ہندوستان میں تحریکِ اہلحدیث کے آغاز وارتقا کی تفصیلات پیش کیں اور بتایا کہ ہندوستان میں ۲۵ صحابہؓ، ۴۸ تابعینؒ اور ۱۸ تبع تابعینؒ تشریف لائے۔ اُنہوں نے احادیث کی تصحیح وتضعیف میں اُمت کے درمیان افراط وتفریط کے رویہ کی نشاندہی کرتے ہوئے مسائل میں اتفاق واتحاد کا رویہ اختیار کرنے پر زور دیا۔ نیز اُنہوں نے ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کے تین نامور خاندان: غزنوی، لکھوی اور روپڑی کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے ان کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا، اُنہوں نے تاریخ کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تاریخ نہ ہوتی تو آپ رسول اللہ ﷺ کے احوال، صحابہ کرامؓ کی سیرت سے واقف نہ ہوتے اور یہ تاریخ کا ہی کرشمہ تھا کہ اس نے صرف حدیث سے متعلق پانچ لاکھ رجال کے حالات محفوظ کردیے۔ چنانچہ اُنہوں نے اسلاف کی زندگیوں اور کارناموں کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ کرنے اور

اس کارِ خیر میں مصروف افراد کو معلومات فراہم کرنے میں ہر ممکن تعاون پر زور دیا، کیونکہ اسلاف کی شاندار روایات کو سامنے رکھ کر ہی ہم مستقبل کی صحیح منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔

* مدیر الجامعہ **حافظ عبدالرحمن مدنی** نے زیر بحث موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں حدیث کے عدمِ فروغ کی وجہ سے بہت سی بدعات کو سنت کے طور پر اختیار کر لیا گیا اور مجتهد في المذهب کے طور پر جمع شدہ اَقوال پر تقلیدِ جامد اختیار کر لی گئی تو سلفیّت کی اس تحریک نے صدیوں سے رائج ان بدعات کا رد کیا اور سب سے پہلے "فردّوہ الیٰ الله والرسول" کے رویہ کا احیا کیا جو صدیوں سے تقلید کی دبیز تہہ تلے دب چکا تھا۔

اُنہوں نے کہا کہ بدعات کے ردّ اور فقہی جمود کو توڑنے میں شاہ ولی اللہ اور ان کے ابناءِ اربعہ کی فروغِ حدیث کی تحریک نے اہم کردار ادا کیا اور پھر ولی اللہی مسند کے جانشین سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کی زندگی کا ۵۰ سالہ عرصہ اسی تحریک کو پروان چڑھانے میں صرف ہوا، جن کی درس گاہ دارالعلوم دیوبند سے ۲۵ سال پہلے دہلی میں ۱۸۴۲ء میں قائم ہو چکی تھی۔ لیکن فقہی جمود اور کتاب وسنت کو مروّجہ فقہ کے مطابق ڈھالنے کا رویہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور نہایت ذہین دماغ اس لاحاصل کوشش میں صرف ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مخلص اکابر دیوبند نے اپنے اس رویہ کو ضیاعِ حیات کے مترادف قرار دیا، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا واقعہ مشہور ہے جو مفتی محمد شفیعؒ نے بیان کیا ہے۔

آخر میں اُنہوں نے اس علمی اور فکری تحریک کی چند کمزوریوں کا ذکر کرتے ہوئے واضح کیا کہ اہل حدیث چند اختلافی مسائل کا نام نہیں بلکہ اس رویہ اور فکر کا نام ہے کہ سلف اور فقہا کے اجتہادات سے استفادہ کرتے ہوئے براہِ راست کتاب وسنت سے اختلافی مسائل اور جدید چیلنجز کا حل تلاش کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ سلفی کا معنی یہ نہیں کہ وہ بس ماضی سے چمٹ جائے بلکہ حقیقی سلفی وہ ہے جو اکابر کی اقدار کو آگے بڑھائے۔

* اس کے بعد جامعہ لاہور الاسلامیہ کے شیخ الحدیث **حافظ ثناء اللہ مدنی** نے تحریک اہلحدیث کی تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کو ہندوستان میں اس تحریک کا محرکِ اوّل قرار دیا۔ اُنہوں نے شاہ صاحب کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ زندگی کے پہلے دو ادوار میں اُنہیں اہلحدیث تحریک کا بانی کہنا مشکل ہے۔ ہاں تیسرا دور ان کی زندگی کا

انقلابی دور ہے جس میں انہوں نے ہندوستانیوں کا رخ کتاب وسنت کی طرف موڑ دیا۔ اس کے بعد اُنہوں نے شاہ محمد اسحٰقؒ، سید نذیر حسین محدث دہلویؒ، حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ، حافظ محمد گوندلویؒ، حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ، مولانا عبداللہ غزنویؒ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ اور مولانا محمد علی لکھویؒ کی خدماتِ جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی سوانح حیات خصوصاً سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کی خدمات کو متعارف کروانے پر زور دیا اور ان شبہات کا ردّ کیا جو اس تحریک کے متعلق مخالفین کی طرف سے اُٹھائے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے سلفی دعوت کی کمزوریوں کا ذکر کرتے ہوئے کتاب وسنت سے لاعلمی اور اپنے اسلاف کی تاریخ سے بے اعتنائی اور اس کے مشن سے ہٹ جانے کو ان کمزوریوں کا اہم سبب قرار دیا۔

اُنہوں نے کہا کہ اس سلفی تحریک کو موجودہ گندی سیاست میں ملوث کرنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج ہمارے مدارس سے ابن تیمیہؒ وابن قیمؒ وغیرہ کی یاد تازہ کرنے والے محدث، مدرس اور مفتی پیدا ہونے کی بجائے سیاستدان پیدا ہورہے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ مسائل میں اختلاف کا ہونا اُمت میں انتشار کا باعث نہیں بلکہ اختلاف کی بنیاد پر تفرد اور تعصب کا رویہ انتشار کا اصل سبب ہے۔

یہاں اُنہوں نے دعوتِ سلفی کے احیا میں اپنے اور اپنے ساتھیوں مولانا عبدالسلام کیلانی اور حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے ۳۵ برس قبل ماہنامہ محدث کے آغاز کی تفصیلات پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ اس مجلّہ کا نام میرے آبائی گاؤں 'سرہالی' میں مولانا عبدالسلام کیلانی کی تجویز پر 'محدث' رکھا گیا، پھر اُنہوں نے محدث کی ۳۵ سالہ جدوجہد کا مختصر تذکرہ کرتے ہوئے ان دینی اداروں کے قیام اور بقا کے لئے اپنے ساتھی حافظ عبدالرحمٰن مدنی (مدیر الجامعہ) کی خدمات کو سراہا۔ آپ کے خطاب کے دوران سلفی تحریک پر جنوری ۱۹۷۱ء کے شمارہ 'محدث' میں شائع ہونے والے ایک نادر مقالہ کو بھی تقسیم کیا گیا۔

* مذاکرہ کے اختتام کے بعد <u>مولانا مفتی عبدالحنان زاہد</u> (مفتی جامعہ سلفیہ فیصل آباد) نے 'مکالمہ کے آداب' کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں ایک داعی کیلئے مکالمہ کی ضرورت واہمیت، اس کے تقاضے اور شرائط کا تذکرہ کیا۔

اُنہوں نے کہا کہ مکالمہ کا مقصد علمی تفوق اور دوسرے کو نیچا دکھانا نہیں ہونا چاہیے۔ ایسی

سوچ یقیناً خطرناک اور بقول امام غزالیؒ شراب کی طرح اُمّ الخبائث ہے۔ نیز مکالمہ کو بلا وجہ طول نہ دیا جائے، بلا وجہ ہر بحث میں کودا نہ جائے، لیکن اگر حق و باطل کی بات ہو تو اس میں احقاقِ حق داعی کی ذمہ داری ہے۔ قطعی دلائل پر مبنی حلال و حرام کے مسائل میں روشن خیالی کا رویہ کہ یہ بھی درست اور وہ بھی درست، عقل و فطرت اور شریعت کے منافی ہے، لیکن جہاں دلائل احتمالی ہیں، وہاں تعصب و تنگ نظری اور افراط و تفریط اور اختلاف کی بنیاد پر دوسرے کو جاہل، کافر اور ملحد کہنے اور دوسرے سے حق تفہم اور حق اختلاف چھین لینے کا رویہ انتہائی خطرناک ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ایک داعی کو ﴿أدْعُ إلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ کی عملی تصویر ہونا چاہئے۔ حضرت ابراہیمؑ کا نمرود سے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خوارج سے مکالمہ اور رسول اللہ ﷺ کا اس آدمی کے ساتھ طرزِ عمل جس نے آپؐ سے زنا کی اجازت چاہی تھی، اور انصار کے ان نوجوانوں کے ساتھ خوبصورت رویہ جنہوں نے جنگِ حنین میں قریش کے نومسلموں کو مال دینے پر اعتراض کیا تھا، اس کی روشن مثالیں ہیں۔

اُنہوں نے کہا کہ صحابہؓ کے درمیان متعدد مسائل میں اختلاف ہوا، لیکن کہیں باہم سرد مہری، تفرد اور دھڑے بازی کا رویہ سامنے نہیں آیا۔ مثلاً حضرت زید بن ثابتؓ اور ابن عباسؓ کا وراثت کے ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا، حضرت عمرؓ اور حضرت عمارؓ کا بامر مجبوری حالتِ جنابت میں تیمم کرنے کے مسئلہ میں اختلاف ہوا، تیسری طلاق کے بعد عورت کے لئے نفقہ و سکنیٰ کے مسئلہ پر حضرت عمرؓ اور فاطمہ بنت قیسؓ کے درمیان اختلاف ہوا، لیکن کہیں بھی باہم رواداری اور ایک دوسرے کی رائے کے احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ موصوف کا یہ مقالہ اس رپورٹ کے متصل بعد شائع کیا جارہا ہے۔ مکمل تفصیل کے لئے اس کا مطالعہ فرمائیں۔

٭ شام کے سیشن میں مولانا حافظ مسعود عالم نائب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد نے 'عقیدہ اور عمل میں اہل السنہ والجماعۃ کے اُصول' کے موضوع پر انتہائی پرمغز گفتگو کی۔ اُنہوں نے کہا کہ عقیدہ سے مراد انسان کا وہ مصمم نظریہ ہے جس پر اس نے دل و دماغ میں گرہ باندھ لی ہو اور پھر اس کے مطابق اس کا کردار اور عمل ڈھل جائے نیز أهل السنة والجماعة سے مراد رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے طریقہ پر کاربند وہ جماعت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے

فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ قرار دیا ہے۔

اُنہوں نے عقیدہ اور عمل میں أهل السنة والجماعة کے درج ذیل اُصول بیان کئے:

① صرف وحی الٰہی (کتاب وسنت) کو عقیدہ اور دین کی اصل بنیاد اور عقل، فلسفہ، الہام، قیاس اور رائے کو وحی کا تابع بنایا جائے، کیونکہ رائے اور فکر وعقل، ناقص ہیں، ان کے ساتھ آفات لگی ہیں، لہٰذا وہ حیاتِ انسان کے علاوہ انسان کے جبلی اور فطری تقاضوں کو سمجھنے میں تو کچھ رہنمائی دے سکتی ہیں، لیکن دین، انسان کے مبدا و معاد، نظامِ کائنات اور اس کے پیچھے کارفرما قوت کے بارے میں رہنمائی دینا عقل کے بس کی بات نہیں، وہاں رہنمائی کا قابل اعتماد ذریعہ صرف وحی ہے جو آفات سے بالاتر ہے۔ عقل کا کام صرف مرادِ الٰہی اور وحی کو سمجھنا ہے اور پھر وحی الٰہی میں متواتر اور آحاد کا کوئی فرق نہیں ہے، آحاد سے جس طرح عمل ثابت ہوتا ہے، اسی طرح اس سے عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ کشف والہام بھی اہل السنۃ کے ہاں نا قابل اعتماد ہیں۔ ممکن ہے کوئی جذبہ یا شیطانی وہم قلب وذہن پر راسخ ہوجائے اور الہام وکشف کا روپ دھار کر سامنے آجائے۔ اگر یہ چیزیں قرآن وسنت کے مطابق ہیں تو درست ورنہ قابل ردّ ہیں۔

② اُمتِ مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن وسنت کو اسی طرح سمجھا جائے، جس طرح صحابہ کرام اور تابعینؒ نے سمجھا، کیونکہ وہ خیر القرون کا دور تھا، ان کے سامنے وحی نازل ہوئی تھی اور ان کا تزکیہ خود رسول اللہ ﷺ نے کیا۔ وہ عرب ہونے کے ناطے عربی زبان کی باریکیوں کو زیادہ سمجھتے تھے، یا آپ ﷺ سے پوچھ لیتے تھے۔

③ قرآن وسنت کی نصوص کے درمیان معارضہ کرنے کی بجائے جمع بین النصوص کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ قرآن وصحیح احادیث کے درمیان معارضہ کرنا اہل بدعت کا طریقہ ہے۔

④ عقیدہ وعمل کا چوتھا اُصول اُنہوں نے ایمان باللہ اور توحید کو قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ توحید ربوبیت تو وجدانی اور فطری ہے، لیکن اللہ کے اسماء وصفات کیا ہیں؟ وہ کن اعمال سے ناراض اور کن سے خوش ہوتا ہے؟ یہ چیز عقل کی بجائے صرف وحی سے ہی حاصل ہوسکتی ہے اور اُن پر ایمان رکھنا عقیدہ کی مضبوط اساس ہے اور اس کے لئے اہل سنت کا دستور ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ اور حضرت امام مالک کا یہ قول ہے:

''الاستواء معلوم والکیف مجهول والإیمان به واجب والسؤال عنه بدعة'' کہ اللہ کی صفات واسماء کو بغیر تاویل، تشبیہ، تعطیل کے اس طرح مانا جائے جس طرح اس کی شان کو لائق ہے اور جس طرح نصوص میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ اس کے بغیر اللہ کی صحیح معرفت ممکن نہیں ہے اور اس کے بغیر انسان فلاسفہ اور معتزلہ وغیرہ کی طرح سرگرداں ہی رہتا ہے جیسا کہ امام رازیؒ نے 'اللذات' میں لکھا ہے:

> ''ہم نے دانش گاہیں گھوم دیکھیں، لیکن کہیں سے ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔ میں نے ایسے لوگوں کو حیران وسرگرداں یا ندامت کے ساتھ اپنے دانتوں میں اُنگلیاں دابے ہی دیکھا ہے۔ جب ہم رات کو لیٹتے ہیں، پھر دلائل کا معارضہ کرتے ہیں، پھر یہ بات کہ اللہ ہے کہ نہیں؟...... انسان کیا کہہ سکتا ہے؟''

اُنہوں نے کہا کہ اللہ کی صفات اس کی ذات سے متعلق ہیں، جب ذات کی کنہ اور حقیقت ہمارے علم سے ماورا ہے تو پھر صفات کی کنہ بھی ہمارے علم سے ماورا ہے، اہل السنۃ کے دستور سے ہٹ کر وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود جیسے نظریے ایمان باللہ اور توحید کے منافی ہیں، توحید کے لئے اس کی ضد 'شرک' کو سمجھنا اور اس سے بیزاری کا اعلان کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد اُنہوں نے سوالات کا جواب دیتے ہوئے اشاعرہ اور ماتریدیہ کو بھی اہل سنت سے خارج قرار دیا، کیونکہ وہ بھی بعض صفاتِ الٰہیہ میں تاویل کرتے ہیں۔

* اس خطاب کے بعد سیر وتفریح کے لئے تمام شرکا کو لاہور کے گلشن اقبال پارک میں لے جایا گیا۔ یہاں کھلی فضا میں فاضل شرکا کے مابین مختلف علمی پروگرام منعقد کئے گئے۔ عشاء کی نماز پر سب حضرات اپنی رہائش گاہ جامعہ لاہور الاسلامیہ میں واپس لوٹے۔

چوتھا دن   منگل: ۲۶؍جولائی ۲۰۰۵ء

* تلاوتِ کلام کے بعد **پروفیسر عبدالجبار شاکر** ڈائریکٹر 'بیت الحکمت' نے 'عالم اسلام کی موجودہ علمی صورتِ حال پر ایک نظر' کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے مسلمانوں کی علمی تحریک کے ارتقا، اس کی نمایاں خصوصیات، تعلیم کے ذرائع اور اس سلسلہ میں سرزد ہونے والی غلطیوں کا جائزہ لیا۔

اُنہوں نے مسلمانوں کی علمی تحریک کی نمایاں خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ تاریخ میں پہلی دفعہ قرآن وسنت کے چشمہ سے پھوٹنے والے عقائد ونظریات کو عبادات ومعاملات کی صورت میں عملاً وجود بخشا گیا۔ کتاب اللہ کی بنیاد پر مرتب ہونے والا نقشہ عملی تھا، جسے سیرتِ رسولؐ اور حدیث کا نام دیا گیا۔ مسلمانوں کے علم کی بنیاد قابل اعتماد سند اور روایت پر ہے جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مستشرقین نے صلیبی تعصب کی بنیاد پر مسلمانوں کے خلاف علم وتحقیق کا جو میدان سجایا اور مسلمانوں پر اعتراضات کئے تو اس کا سارا موادقرآن وسنت (علم وحی) سے نہیں بلکہ تاریخ کے بطن سے فراہم کیا۔ مغازی عروہ بن زبیر، واقدی، محمد بن اسحٰق کی سیرت اور طبقاتِ ابن سعد کی ایک ایک جلد پر ان کے پروفیسرز نے کام کیا اور اس پر استشراق کی پوری عمارت تعمیر کی۔

اُنہوں نے کہا کہ جب قرآن کا مطالعہ یونانی فکرو فلسفہ اور عقل کو معیار بنا کر کیا گیا اور پھر ایرانی علوم اور باطنی تصورات کی آمیزش اسلام کے ساتھ ہوئی اور یہ فکر جب مذاہب کے جنگل ہندوستان میں پہنچی تو اس کے نتیجے میں اسلام کا ایک نیا ایڈیشن 'تصوف' کی صورت میں پیدا ہوا جو اسلام کی اس علمی تحریک کے لئے بہت بڑا دھچکا تھا۔

اُنہوں نے کہا کہ جب تک مسلمان نے اپنے دو علمی دھاروں: علم وحی اور علم الاشیاء سے سیرابی کا سامان کرتے رہے، اس وقت تک دنیا ان کی محتاج تھی۔ یورپ کے حکما ان کے علم سے زلہ ربائی کرتے رہے، ان کی کتابیں یورپ کی یونیورسٹیوں میں بطورِ متن پڑھائی جاتی رہیں، لیکن جب یہ دھارے خاموش ہوگئے تو پھر ہم دنیا کا ساتھ نہ دے سکے، مستشرقین نے مسلمانوں کے علم کا متعصّبانہ اور معاندانہ مطالعہ کرتے ہوئے تاریخ سے مرچ مصالحہ تلاش کیا اور قرآن وسنت سے دنیا کو بدظن کرنے کی تحریک شروع کی۔

اُنہوں نے اُنیسویں اور بیسویں صدی کو تراثِ اسلامی کے احیا کی صدیاں قرار دیا، جس میں مسلمانوں کو یورپ سے رابطہ کا موقع ملا اور پھر مسلمان علما نے ان کے اعتراضات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور گرد وغبار چھٹنا شروع ہوگئے۔

اُنہوں نے مسلمانوں کے بہت بڑے علمی ذخیرہ کے تحفظ کو مستشرقین کی کوششوں کا مرہونِ منت قرار دیتے ہوئے کہا کہ فرانس کی سوربون یونیورسٹی کی لائبریری میں مسلمانوں کی

علمی اور تاریخی ۳۰ لاکھ کتب اور چیسٹر بٹی لائبریری میں ایک لاکھ سے زائد مخطوطے موجود ہیں جن میں چالیس ہزار متون ایسے تھے جو صحابہ کرامؓ کے لکھے ہوئے تھے اور یہ قدرت کا عظیم کرشمہ تھا کہ دشمن کے ہاتھ سے ہمارے وِرثے کا تحفظ ہوا۔ اُنہوں نے کہا کہ یمن سے قرآنی قراطیس نکلے، جب ان کا قرآن سے تقابل کیا گیا تو اس میں جزوی اختلاف بھی نہیں تھا۔

اس کے بعد اُنہوں نے ڈاکٹر ایم ایم اعظمی کا قرآن، حدیث اور تاریخ کے حوالہ سے کام کا تعارف کروایا جس میں اُنہوں نے مستشرقین کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ اُنہوں نے سعودی حکومت کو خراجِ تحسین پیش کیا، جن کی کوششوں سے اسلامی یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں آیا اور دور زوال میں نظر انداز ہونے والا مسلمانوں کا علمی سرمایہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اُنہوں نے کہا کہ اس وقت مغرب اور استشراق کے دفاع کی نہیں بلکہ تعاقب کی ضرورت ہے جس کے لئے استشراق کی زبانوں پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ ایران نے جامعہ جعفر صادق اور جامعہ فیضیہ، قم میں عربی و فارسی کے علاوہ دیگر زبانوں کو سیکھنا بھی لازمی قرار دے دیا ہے اور اہل تشیع تحریکِ استشراق سے مقابلہ میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ ہمیں بھی طلبا کے لئے جدید زبانوں کی تعلیم کا انتظام کرنا چاہیے، رسول ﷺ نے اپنے تمام سفرا کے لئے اس ملک کی زبان سیکھنے کا ماحول پیدا کیا۔ ابوموسیٰؓ نے سورۃ فاتحہ کے فارسی ترجمہ کا آغاز کیا۔

اُنہوں نے کہا کہ اس وقت قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کی بنیاد صرف زبان ہے۔ بہاء اللہ (بہائی) کی نحو کے موضوع پر کتاب کا کوئی صفحہ بھی غلطی سے خالی نہیں ہے، اس کا اُنہوں نے آٹھ سو زبانوں میں ترجمہ کروایا ہے۔ اسرائیل کی عبرانیہ یونیورسٹی نے ۱۲۱۵/ اساتذہ کو عبرانی زبان کے اِحیا پر مامور کیا۔

* **مولانا عبدالعزیز علوی** شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ، فیصل آباد نے 'تشریع اسلامی میں سنت کا مقام' کے موضوع پر بات کی۔ اُنہوں نے حجیتِ حدیث کے دلائل کو ذکر کرتے ہوئے متعدد ایسی قرآنی آیات پیش کیں جنہیں سنت کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے، مثلاً نمازوں، زکوٰۃ اور حج کی تفصیل، جنگِ بدر، اُحد، خندق اور صلح حدیبیہ، حج کا احرام کہاں سے باندھنا ہے؟ طواف اور سعی میں کتنے چکر ہیں؟ ان کی تفصیل حدیث وسنت کے بغیر قطعاً سمجھی نہیں جاسکتی۔ اُنہوں نے کہا کہ یہی مطلب ہے قرآنی آیت ﴿إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ کا اور امام اوزاعیؒ کے اس

قول:السنة قاضية علىٰ الكتاب كا۔ اُنہوں نے طرزِفکر کے ساتھ ساتھ کردار کو بہتر بنانے پر زور دیا اور کہا کہ انقلاب محض فکر سے نہیں، عمل سے آتا ہے۔ اس حوالہ سے انہوں نے مدرسہ حزب الاحناف کے مہتمم مولانا دیدار علی کا واقعہ سنایا جو چینیاں والی مسجد میں مولانا داؤد غزنویؒ کے چچا کے پیچھے لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے لیکن خود چھپ کر صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھتے تھے۔ جب انکشاف ہوا تو اُنہوں نے کہا کہ

''جس دن ان کے پیچھے صبح کی نماز پڑھ لوں تو باقی نمازوں میں بھی بڑا سرور آتا ہے۔''

اُنہوں نے سنت کو محض فکری طور پر ہی نہیں، عملی طور پر اپنانے اور فرض واجب اور سنت کی اصطلاحات سے قطع نظر «ما أنا عليه و أصحابي» کو اپنا دستورِحیات بنانے پر زور دیا۔

اُنہوں نے کتبِ صحاحِ ستہ کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ صحیح بخاری کے ابواب امام بخاریؒ کی فقاہت پر روشن دلیل ہیں اور صحیح بخاری میں عبادات ومعاملات عقائد اور زہد وورع الغرض زندگی کے ہر پہلو پر گفتگو ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ صحیح مسلم بھی جامع اور حسن ترتیب کا اعلیٰ نمونہ ہے، لیکن امام مسلمؒ نے ابواب خود قائم نہیں کئے۔ اُنہوں نے کہا کہ مسلم کی ایک خصوصیت اس کا مقدمہ ہے جس میں اُصولِ حدیث اور علم جرح وتعدیل پر خوبصورت بحث کی گئی ہے۔ اُنہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے درمیان ایک فرق یہ بیان کیا کہ امام مسلم نے ایک حدیث کے تمام طرق کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے لیکن صحیح بخاری میں ایک حدیث طریق کے اختلاف کے ساتھ متعدد تراجم ابواب کے تحت بار بار آئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ سنن ابن ماجہ میں سنن ہونے کے باوجود 'فضائل الصحابہ' کو سب سے مقدم کیا گیا ہے تا کہ باور کرایا جائے کہ صحابہ کرامؓ ہی دین کی بنیاد ہیں۔ اگر کوئی ان کی طرف دستِ جرح بڑھاتا ہے تو گویا وہ دین کی بنیادوں کو ہلانا چاہتا ہے۔

آخر میں اُنہوں نے دورِ حاضر میں احادیث پر صحت وضعف کا حکم لگانے کے بارے میں افراط وتفریط کے رویہ کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے واضح کیا کہ اس سلسلہ میں ہم سلف کے پابند ہیں۔ آج اگر کوئی اس حدیث کو ضعیف کہتا ہے جسے سلف نے صحیح کہا ہے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ احادیث کی صحت وضعف میں متقدم علما کی رائے کو متاخرین پر ترجیح حاصل ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ امام ذہبیؒ کا امام ترمذیؒ کو متساہل کہنا بھی محل نظر ہے، کیونکہ ذہبیؒ تو ترمذی سے

کافی متاخر ہیں۔

* چوہدری یٰسین ظفر مدیر تعلیم جامعہ سلفیہ، فیصل آباد نے 'عالم اسلامی کی موجودہ صورتِ حال' کا تعارف کرواتے ہوئے اسلامی ممالک کے نظامِ حکمرانی، جغرافیہ، رقبہ اور آبادی کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ اسلامی ممالک ایشیا سے مراکش تک ۲۰ ہزار کلومیٹر کے رقبہ پر مشتمل ہیں۔ دنیا کی اہم ترین بندرگاہیں اور تمام گزرگاہیں، جبل طارق، نہر سویز، خلیج عدن، خلیج فارس تمام مسلمانوں کے پاس ہیں، جن سے لاکھوں ڈالر یومیہ کی آمدن حاصل ہوتی ہے اور جن کے بند کردینے سے دنیا کا کوئی بحری بیڑا حرکت نہیں کرسکتا۔

اس کے علاوہ گرم مرطوب موسم، قدرتی نظامِ آبپاشی، وسیع زرخیز زمین، بہترین قدرتی دریا، وافر بارش، دنیا کا بہترین چاول اور گندم، دنیا کی ۴۰ فیصد کپاس کا مصر، سوڈان اور پاکستان سے پورا ہونا؛ دنیا کی بہترین سبزیاں، خوردنی تیل، بہترین پھل کہ پاکستان ۴۰ فیصد آم برطانیہ کو بھیجتا ہے۔ ضرورت سے زائد گوشت اور دودھ، دنیا کا ۷۰ فیصد تیل، قدرتی گیس کا عظیم ذخیرہ، پاکستان میں کوئلہ کے بڑے بڑے پہاڑ، ایٹم بم میں استعمال ہونے والی یورینیم جو الجزائر پوری دنیا کو سپلائی کرتا ہے، یہ اللہ کی ایسی نعمتیں ہیں جن سے اکثر مغربی دنیا محروم ہے، اس کے باوجود مغرب ہم پر حکمران ہے اور اُمتِ مسلمہ زوال اور ذلت کا شکار!!

اس کے بعد اُنہوں نے ان اسباب اور عوامل کا جائزہ لیا جن کی وجہ بارہ صدیاں تک یورپی دنیا پر حکمرانی کرنے والے مسلمان ذلت وپستی کا شکار ہوگئے۔ مسلمانوں کے عروج کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات دنیا کی کوئی بندرگاہ ایسی نہیں تھی جس پر مسلمانوں کا جھنڈا نہ لہراتا ہو۔ دیگر ممالک مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور ان کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے پر فخر کیا کرتے تھے۔ ہر گھر بنیادی ضرورتوں سے آراستہ تھا، شیشوں کے پائپوں کے ذریعے چشموں کا پانی اندلس کے شہروں میں پہنچتا تھا اور مسلم سائنسدانوں نے اندلس کے پورے پورے شہروں کو ان کے چاروں طرف باغ اور اندر چشمے لگا کر ایئر کنڈیشنڈ کردیا تھا، اب وہی مسلمان ذلت ومحکومی کا شکار کیوں ہیں؟ مولانا نے فرقہ بندی، مذہبی اور لسانی وقبائلی تعصب، علومِ وحی سے دستکش ہوکر فلسفہ اور علم الکلام کو مقصد بنانا، سیاسی انتشار، باطنی گروہوں کے تسلط، غیروں پر اعتماد اور اسلامی ممالک سے عداوت کو مسلمانوں کے زوال کے داخلی عوامل قرار دیا۔

نیز تاتاریوں کے خروج، صلیبی جنگوں، مارٹن لوتھر کی اصلاحی تحریک کے اسلامی مملکتوں پر اثرات، بیرونی طاقتوں کو مدد کے لئے بلانا، ایجنسیوں کا آلہ کار بن کر تحریکیں چلانے کو زوالِ اُمت کے اہم خارجی عوامل قرار دیا۔

اس کے بعد اُنہوں نے ان اثرات اور نقصانات کا تذکرہ کیا جو اسلام کے زوال اور اسلامی قیادت کی محرومی سے مسلمانوں بلکہ پوری دنیا کو اٹھانے پڑے کہ جاہلیت کا پرانا دور پھر دنیا پر چھا گیا، بدعات اور گمراہ فرقے پھر سر اُٹھانے لگے، دعوتِ دین کا کام رک گیا۔ تعلیمی مراکز اور کفالتِ طلبا کا نظام ختم ہونے سے ذرائع تعلیم معدوم ہوگئے۔ علوم یورپ کی طرف منتقل ہوگئے، اسرائیل کی شکل میں ایک ناسور دنیا کے نقشہ پر اُبھرا جس کے زہریلے اثرات پوری دنیا میں سرایت کررہے ہیں۔ دینی تحریکوں کے حاملین ہزاروں علما قتل کئے گئے۔ یہودیوں کے آلہ کار مسلم اُمہ پر مسلط کردیے گئے، مسلمانوں کے لئے زہر قاتل اقوامِ متحدہ کا ادارہ وجود میں آیا۔ مسلمانوں پر تجارتی اور معاشی پابندیاں لگیں، غیر فطری قوانین زبردستی نافذ کئے گئے، مسلمانوں کے وسائل پر قبضہ کیا گیا وغیرہ۔ اُنہوں نے ایسے متعدد مصائب اور نقصانات کا تذکرہ کیا جن کو سنتے ہوئے انسان شدت سے محسوس کرتا ہے کہ دنیا کی موجودہ صورتحال کو بدلنے کی شدید ضرورت ہے اور اس عالمی اسلامی قیادت کو دوبارہ حاصل کرنا نہایت ضروری ہے جو مسلمانوں نے اپنی مجرمانہ کوتاہی اور غفلت کی وجہ سے کھودی ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ اس عالمی خسارہ اور نقصانات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ انسانیت کو قرآن وسنت کے سرچشمہ ہدایت پر لاکھڑا کیا جائے اور مذکورہ بالا ان تمام عوامل پر سنجیدگی سے غور کیا جائے جس کی وجہ سے ہمیں بلکہ پوری دنیا کو ذلت اور پریشانی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

* شام کے سیشن میں **مولانا ابوعمار زاہد الراشدی** مدیر ماہنامہ 'الشریعہ' نے 'اسلام میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا تصور' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ روشنی اور اعتدال تو اسلام کے مزاج میں داخل ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ﴾ اور ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا﴾ اُنہوں نے کہا کہ اسلام نے ہی تو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہودیت ونصرانیت کو اعتدال کا راستہ دکھایا۔ پوری دنیا کو غلو اور افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی راہ دکھائی، رہبانیت اور مادّہ پرستی کے درمیان راہِ اعتدال

قائم کی اور یہ حدیث «إن لربك عليك حق ولزوجك عليك حق فأعطِ كل ذي حق حقه» اور اسلام کی دیگر تعلیمات اعتدال کی آئینہ دار ہیں، لیکن آج خوارج کی طرح جنہوں نے ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ کو غلط مقصد کے لئے استعمال کرکے دین میں فتنہ پیدا کیا تھا، اسی طرح روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی اصطلاح کو بقول حضرت علیؓ "كلمة حق أريد بها الباطل" غلط مقصد اور اُمت میں انتشار پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو بالکل اس کے متضاد معانی میں استعمال کرتے ہوئے ہم سے یہ تین مطالبات کئے جارہے ہیں:

① ہم دیگر مذاہب کے ساتھ مکالمہ میں بس مثبت باتیں کریں، منفی باتیں نہ کریں اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مفاہمت (کمپرومائز) کی کوئی صورت نکالیں۔

② دورِ حاضر کے تہذیبی، تمدنی اور معاشرتی ارتقا اور ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے ان روایات، قوانین اسلامی اور اعمال سے دستبردار ہوجائیں جو آج کے ماحول اور عالمی حالات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ حدود آرڈیننس ختم کریں، مرد وزن میں توازن قائم کریں اور عورت کو طلاق کا حق دیں۔

③ مذہب کا تعلق صرف اخلاقیات، عقیدہ اور عبادات تک محدود رکھیں اور تجارت، سیاست اور اجتماعیات کو مذہب کی جکڑ بندیوں سے آزاد کریں تو ہم اعتدال پسند اور روشن خیال، وگرنہ نہیں!

اس کے بعد اُنہوں نے دورِ رسالتؐ کے کافروں کے ساتھ مسلمانوں کے تین مکالمات کا تذکرہ کیا جن سے اُنہوں نے یہ ثابت کیا کہ اسلام عقائد، اُصول اور اقدارِ مشترک پر سمجھوتہ کرنے کا روادار نہیں ہوسکتا اور پوپ کی طرح کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی حکم میں تبدیلی کرے اور اس میں ایک مکالمہ اس وقت کا ہے جب اسلام مغلوب اور مسلمان بے بس تھے، اس سے ہمارے اوپر اس اعتراض کا بھی ردّ ہوجاتا ہے کہ تم اپنے غالب دور کی باتیں کرتے ہو، حالانکہ غالب دور کا فلسفہ اور ہوتا ہے اور دورِ مغلوبیت کا فلسفہ اور!

پہلا مکالمہ: اس وقت جب مسلمان ظلم وستم کے بدترین دور سے گزر رہے تھے۔ اس دور کے غالب مذہب کے حامل مکہ کے ۲۵ سردار نبی ﷺ کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں کہ آپؐ

اپنے خدا کی بات کرو، ہمارے خداؤں لات، عزیٰ اور ہبل کو کچھ نہ کہو، مثبت بات کرو، منفی بات نہ کرو۔ ہم تمہاری نماز میں کبھی کبھی شرکت کرلیا کریں گے، تمہیں پورا پروٹوکول دیں گے حتیٰ کہ علاقہ کی سرداری، خوبصورت عورت سے شادی کی اور مال ومتاع کی پیشکش بھی کی بشرطیکہ ایک خدا کا تعجب انگیز مطالبہ چھوڑ دو، لیکن اللہ نے اسی رواداری، اعتدال پسندی کا یہ جواب دیا:

﴿قُلْ يٰأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ * لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ * وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ * وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ * لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾

ایک مسلمان کی بات کا آغاز ہی لا سے ہوتا ہے۔ 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' پہلے نفی ہے پھر اِثبات ہے۔ اسلام مغلوب ہو یا غالب، سودا بازی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (تفصیل کے لئے: أصحّ السِیَر از عبدالرؤف داناپوری اور سیرت النبی ﷺ از سید سلیمان ندوی)

دوسرا مکالمہ: نجران کے عیسائیوں سے۔ ان کا وفد پورے پروٹوکول کے ساتھ مسجد نبوی میں خیمہ زن ہے، مذاکرات ہوئے، آپؐ نے فرمایا: «أدعوكم من عبادة العباد إلىٰ عبادة الله ، أدعوكم من ولاية العباد إلىٰ ولاية الله» کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ بات مباہلہ پر آگئی۔ وہ تیار نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک اُصولی بات قیامت تک کے لئے مسلمانوں کو بتا دی: ﴿قُلْ يٰأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَّا نَعْبُدَ إِلاَّ اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ﴾ بتا دیا کہ انسان پر حاکمیت اللہ کی ہے، اس پر سمجھوتا نہیں ہوسکتا۔

جب حضرت عدیؓ نے جو عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہو چکے تھے، کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ! قرآن کی آیت ﴿وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ﴾ کی بات سمجھ نہیں آئی، ہم نے تو ان کو ربّ نہیں بنایا تھا۔ آپؐ نے جواب دیا: عدی بتاؤ! کیا تم نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کی اتھارٹی اپنے علما کو نہیں دی تھی۔ اُنہوں نے تسلیم کیا۔ آج بھی یہ اتھارٹی پوپ کے پاس موجود ہے۔ لیکن اگر ساری دنیا کے مسلمان بھی کسی حلال کو حرام اور کسی حرام کو حلال کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے۔ اللہ نے یہ اختیار اپنے نبی کو بھی نہیں دیا!!

تیسرا مکالمہ: بنو ہوازن کے وفد کے ساتھ، اُنہوں نے کہا کہ ہم اس شرط پر مسلمان ہوتے ہیں کہ ہمارے بت لات کو نہ توڑا جائے۔ ہمیں شراب، سود اور زنا کی اجازت دے

دیں، لیکن آپؐ نے تمام شرائط کو مسترد کردیا۔ وفد ناکام چلا گیا، لیکن صبح ہی واپس آکر وہ لوگ اپنی شرائط سے دستبردار ہوکر مسلمان ہو گئے۔

اُنہوں نے کہا کہ افسوس آج آلِ رسولؐ ہونے کا دعویٰ کرنے والے، کعبہ کی چھت پر چڑھنے اور اپنے لئے روضۂ رسولؐ اور خانہ کعبہ کا دروازہ کھلنے کو اپنے اسلامی تشخص کی علامت قرار دینے والے بھی اپنے لئے ایسی ہی عجیب وغریب شرائط کا مطالبہ کررہے ہیں۔

مولانا راشدی نے کہا کہ واشنگٹن میں میری ایک لبرل دانشور سے بات ہوئی۔ اس نے کہا کہ ''ساری باتیں ٹھیک ہیں، لیکن ہمیں کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ عالمی برادری کی بات بالکل نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔'' میں نے اُسے کہا: آؤ، ترمیمی بل تیار کرتے ہیں کہ مثلاً حدود اور فلاں فلاں چیزیں ختم کردی جائیں، لیکن تم بتاؤ اس بل کو کس فورم پر پیش کرنا ہے کیا اقوامِ متحدہ، او آئی سی یا مشرف کے پاس اتھارٹی ہے کہ وہ ﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا﴾ ﴿أَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ میں ترمیم کرسکے۔ اس میں ترمیم کی اتھارٹی کون ہے......؟

نوٹ: یہ مکمل خطاب بعد میں روزنامہ 'اسلام' میں ۳ قسطوں اور پمفلٹ میں شائع کردیا گیا۔

❀ **مولانا قاضی عبدالرشید، جہلم** جماعتِ اہل حدیث کے معروف مناظر ہیں، اُنہوں نے 'اُصولِ مناظرہ' کے موضوع پر بات کرتے ہوئے ایک مناظر کے لئے عالم دین ہونا ضروری قرار دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ مناظر کو اپنے موقف پر تمام دلائل اور مخالف فریق کے اعتراضات ودلائل اور ان کے جوابات پر مکمل عبور حاصل ہونا چاہئے۔ اپنی اور مخالف کی مسلمہ کتب کا ہمراہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ مناظرے کا یہ اہم اُصول ہے کہ آپکا دعویٰ نرم ہو، لیکن دلائل مضبوط ہوں اور جس مسئلہ کے بارے میں دلائل کمزور ہوں، اس پر مناظرہ نہ کریں۔

نیز مناظرہ کرتے ہوئے اردگرد کے ماحول اور حالات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

اُنہوں نے اپنے ایک مناظرہ کے حوالہ سے فاتحہ خلف الامام کے دلائل فراہم کرتے ہوئے ثابت کیا کہ امام کے پیچھے سراً سورۃ فاتحہ پڑھنا حدیث کے لفظ 'انصات' (خاموشی) اور قرآن کے حکم 'توجہ سے سننا' کے منافی نہیں ہے مثلاً صحیح بخاری کی روایت ہے کہ صحابی رسول نے آپؐ سے پوچھا: إسكاتك بين التكبير والقراءة ما تقول ''آپ تکبیر اور قراء ۃ کے مابین

سکوت کے دوران کیا پڑھتے ہیں؟'' یہاں خاموشی اور پڑھنا دونوں کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خاموشی کے وقت پڑھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح خطبہ جمعہ کے دوران رسول اللہﷺ نے اِنصات کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ خطبہ جمعہ کے دوران بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کی تلقین بھی کی ہے تو معلوم ہوا کہ دو رکعت پڑھنا انصات کے منافی نہیں۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ میں آیت: ﴿إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا﴾ کی موجودگی میں نماز میں باتیں بھی کرلیا کرتے تھے جس سے بعد میں روک دیا گیا۔ نیز اُنہوں نے بتایا کہ میرے ان دلائل سے متاثر ہوکر مخالف مناظر مولانا محمد صادق جو مولانا غلام اللہ کے شاگرد ہیں، نے اہل حدیث ہونے کا اعلان کردیا۔

انہوں نے کہا کہ مناظرہ میں ایسے دلائل پیش کریں جس سے مخالف کو بھی انکار نہ ہو، مثلاً رفع الیدین کے بارے معروف حنفی عالم مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ إن الرفع متواتر إسنادًا وعملًا لایشك فیه ولم ینسخ ولا حرف منه...الخ

(نیل الفرقدین: ص۲۲)

''رفع الیدین کی سنت روایت اور عمل ہر دو کے لحاظ سے متواتر چلی آرہی ہے، یہ امر شک وشبہ سے بالا ہے، اس میں کوئی نسخ نہیں ہوا بلکہ اس کا ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہوا...''

اسی طرح شاہ ولی اللہؒ نے رفع الیدین کی احادیث کو اکثر اور أثبت اور اس عمل کو زیادہ پسندیدہ قرار دیا ہے۔ اُنہوں نے امام بخاریؒ کے حوالہ سے ذکر کیا کہ کسی بھی صحابی رسولؐ سے عدم رفع الیدین ثابت نہیں ہے۔ نیز اُنہوں نے فقہ کے متعدد مسائل کا ذکر کیا جو صریح اور صحیح نصوص کے مخالف ہیں اور ان کو چھوڑنے پر اگر کوئی چیز مانع ہے تو وہ تقلید ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ مناظرہ میں تقلیدِ جامد کا رویہ قطعاً قابل تحسین نہیں ہے۔

* شام کی نشست کے ان دو خطابات کے بعد لاہور میں مکتبہ دار السلام کی زیارت کا پروگرام تھا، دو بڑی بسوں میں تمام دعاۃ بوقتِ مغرب مکتبہ پہنچے۔ باجماعت نماز کے بعد لاہور کے منتخب اہل علم کو سٹیج پر تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ استاذ القراء قاری محمد ادریس عاصم کی تلاوت سے پروگرام کا آغاز ہوا، نظم کے بعد پروفیسر عبد الجبار شاکر، مکتبہ کے مدیر تحقیق وتصنیف حافظ صلاح الدین یوسف اور مولانا عبد الستار حماد نے اپنے خطابات میں مکتبہ کی

خدمات کا ایک جامع تعارف پیش کیا۔ عشائیہ کے بعد تمام شرکا کو دارالسلام کی مطبوعات پیش کی گئیں اور رات گئے قیام گاہ کو واپسی ہوئی۔

پانچواں دن

بدھ ۲۶/جولائی ۲۰۰۵ء

تلاوتِ کلامِ مجید کے بعد **مولانا عبدالستار حماد** کو ''تکفیر کے ضوابط، اثرات، شروط اور اس کے موانع'' کے موضوع پر محاضرہ کی دعوت دی گئی۔

مولانا موصوف نے حضرت اسامہؓ کی حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ اُنہوں نے ایک جنگ میں بظاہر تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھنے والے کو قتل کردیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل سے برات کا اعلان کیا تھا، اور دوسری حدیث جس میں آپؐ نے ایک لونڈی سے اللہ کے بارے میں پوچھا تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، سے استدلال کرتے ہوئے لا إله الا الله کے اقرار اور کسی ایسے قرینہ یا اشارہ کو دخولِ اسلام کا دروازہ قرار دیا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھ رہا ہے یا محض دکھاوے اور ریاکاری کے لئے۔

اس کے بعد اُنہوں نے ایسے شخص کو اسلام سے خارج قرار دیا جو توحید ربوبیت، اُلوہیت، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اللہ کی ذات یا رسالت کے بارے میں طعن کرتا ہے۔ ایسا شخص اگر دوبارہ اسلام میں داخل ہونا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کلمہ طیبہ کے اقرار کے ساتھ اپنے اس سابقہ عقیدہ سے برات کا اعلان بھی کرے۔

اُنہوں نے کہا کہ بعض اوقات تکفیر کے اسباب موجود ہوتے ہیں، لیکن بعض موانع کی وجہ سے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا۔ ان میں سے ایک تاویل اور دوسرا جہالت ہے۔ جو شخص تاویل یا جہالت کی وجہ سے کفر کا ارتکاب کرتا ہے، اُسے کافر نہیں کہہ سکتے ،مثلاً حضرت معاذؓ نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کیا اور کہا کہ جب ہم بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو اُنہیں سجدہ کرتے ہیں اور آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں تو آپؐ نے منع فرمایا، لیکن حضرت معاذ کو تجدید ایمان کا حکم نہیں دیا۔ اسی طرح جب جنگِ حنین کے موقع پر صحابہؓ نے آپؐ سے ذاتِ انواط قائم کرنے کی درخواست کی تو آپؐ نے انہیں قومِ موسیٰ سے تشبیہ دی جنہوں نے حضرت موسیٰ

کے کوہِ طور پر جانے کے بعد بچھڑے کو خدا بنا لیا تھا، لیکن آپؑ نے ان صحابہ کو تجدیدِ ایمان کا حکم نہیں دیا کیونکہ انہوں نے لاعلمی کی وجہ سے اس کفریہ کلمہ کا اظہار کیا تھا۔

انہوں نے حاضرین سے بریلویوں کو کافر کہنے کی بجائے ان کی جہالت کو ختم کرنے پر زور دیا۔ اُنہوں نے سیدنا عمار بن یاسرؓ کے واقعہ کو جنہوں نے کفار کی نا قابل برداشت اذیت ناکی سے مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے بارے میں کچھ ناروا باتیں کہہ دیں تھیں، سے استدلال کرتے ہوئے 'اکراہ' (مجبوری) کو ایسا سبب قرار دیا جس کی بنا پر کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی، بشرطیکہ انسان کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ لیکن عظمت کا تقاضا یہی ہے کہ آدمی استقامت کا مظاہرہ کرے اور ہماری تاریخ ایسے اصحابِ عزیمت سے بھری پڑی ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ کافروں کے نقصان سے بچنے کے لیے یا ان کو نقصان پہنچانے کے لئے بھی آدمی اسلام کو چھپا کر کفر کا اظہار کر سکتا ہے، جیسا کہ جنگِ خندق کے موقع پر نعیم بن مسعودؓ نے کفار کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے یہودیوں اور کفارِ مکہ کے سامنے کفر کا اظہار کیا۔ محمد بن مسلمہ نے دشمن اسلام کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لئے آپؐ کے خلاف نازیبا الفاظ اور کفر کے اظہار کی اجازت طلب کی تاکہ اس کی ہمدردی حاصل کی جائے تو آپؐ نے اجازت دے دی۔ اسی طرح اگر شدتِ جذبات سے بھول کر کلمہ کفر منہ سے نکل جائے تو ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جنگل میں سامانِ رسد سے لدا ہوا اونٹ گم ہو جائے اور انسان موت کے انتظار میں لیٹ جائے اور اُٹھے تو اونٹ سامنے کھڑا ہوا سے دیکھ کر شدتِ جذبات سے کہہ دے: ''اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا ربّ'' تو اللہ اس بندے کی بات سن کر تعجب کرتا ہے۔

یا انسان کسی غلط نظریہ کی بنیاد پر کلمہ کفر کا ارتکاب کرے، مثلاً بخاری میں اس کفن چور کا واقعہ جس نے اللہ کے ڈر سے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ موت کے بعد میری لاش کو جلا کر ہوا میں اُڑا دینا، شاید اس طرح اللہ مجھے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہ ہو سکے اور میں اس کے عذاب سے بچ جاؤں۔ بظاہر یہ کلمہ کفر ہے، لیکن اللہ سے ڈر جانے کی وجہ سے اللہ نے اسے معاف کر دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ حدیث: «رُفع القلمُ عن ثلاث» کے تحت اگر کوئی شخص نیند میں یا نشہ میں یا حکایت کے طور پر کفر کا ارتکاب کرے تو اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

آخر میں اُنہوں نے سوالات کا جواب دیتے ہوئے خاوند کے لئے مجازی خدا کا لفظ استعمال کرنے اور لفظ 'خدا' اور 'یزدانی' کے استعمال کو ناجائز قرار دیا۔ نیز کہا کہ سجدۂ تعظیمی حرام ہے، شرک نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ جس شخص نے کبھی بھول کر بھی نماز نہ پڑھی ہو نہ عید تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

* گورنمنٹ سائنس کالج کے **پروفیسر میاں محمد اکرم** نے 'دورِ حاضر میں سودی معاملات' کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے گانا بجانے، قحبہ گری، شراب، جوا اور سود کی آمدنی وغیرہ کو قرآن وسنت کے دلائل کی رو سے حرام قرار دیا۔ اُنہوں نے ربا النسیئۃ اور ربا الفضل کی تعریف کرتے ہوئے قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت کیا کہ سود خواہ مہاجنی ہو یا تجارتی مقاصد کے لئے، اللہ تعالیٰ سے جنگ اور سگی ماں سے زنا کرنے کے مترادف ہے۔ اس کے لئے اُنہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل، سپریم کورٹ آف پاکستان، فقہ اکیڈمی آف انڈیا کا حوالہ دیا کہ ان سب نے عصر حاضر کے بنکوں کے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اُنہوں نے دنیا میں رائج سود کی مختلف شکلوں بیع عینہ، انشورنس، نقد اور اُدھار میں فرق، پراویڈنٹ فنڈ، درآمدات وبرآمدات میں لیٹر آف کریڈٹ، سیونگ اکاونٹ، مارک اپ اور مارک ڈاؤن (بیع مرابحہ)، انعامی بانڈز وغیرہ کا تعارف کرواتے ہوئے اُنہیں ناجائز قرار دیا۔

اپنے خطاب میں آپ نے ان سودی صورتوں کی بعض بنیادی علامتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے شرعی حکم کے بارے میں کتاب وسنت سے بھی دلائل پیش کئے۔

* اس روز عصر کی نماز کے بعد **پروفیسر ڈاکٹر اکرم چودھری ڈین فیکلٹی آف اورینٹل سائنسز پنجاب یونیورسٹی** کا خطاب 'تحریکِ استشراق، تعارف اور مقاصد' کے موضوع پر تھا، عین لیکچر کے وقت گورنرِ پنجاب سے میٹنگ کے سبب آپ تشریف نہ لا سکے۔ چنانچہ اس موقع پر شرکا کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان کے درمیان مقابلہ معلومات منعقد کرایا گیا۔

* عصر کے بعد اس روز دوسرا خطاب **پروفیسر ڈاکٹر مزمل احسن شیخ** نے 'دعوتِ دین کی حکمت' کے موضوع پر دیا۔ اُنہوں نے دین کے داعی کا مقام ومرتبہ ذکر کرتے ہوئے ان اوصاف اور خصائل حمیدہ کو نہایت دلنشین انداز میں بیان کیا جو ایک داعی کا طرۂ امتیاز ہونی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت یوسفؑ کی سیرت: قید خانہ میں بھی دعوتِ حق کا سرگرم داعیہ اور یا صاحبي

السجن کا سا خوبصورت اندازِ تخاطب ، ہمارے لئے مشعل راہ ہونا چاہیے۔ اُنہوں نے کہا داعی صرف مسجد میں ہی نہیں بلکہ وہ گھر، بازار، دوستوں یا دشمنوں کی مجلس میں دعوت کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اُنہوں نے اخلاقِ حسنہ، مسکرا کر بات کرنا، کھانا کھلانا، ہر حقدار کو اس کا حق دینا، دوسروں کی غم خواری، دعوت میں تدریج وحکمت کوملحوظ رکھنا وغیرہ پر زور دیتے ہوئے علم کے ساتھ عمل وحلم کو بھی ایک داعی کی میراث قرار دیا۔

اُنہوں نے دعوتِ دین کے موضوع پر ڈاکٹر عبدالغنی فاروق کی کتاب ''ہم کیوں مسلمان ہوئے؟''اور ڈاکٹر فضل الٰہی کی کتاب ''نبی کریم ﷺ بحیثیتِ معلم'' جیسی چند دیگر کتابوں کا تعارف کرواتے ہوئے ان کے مطالعہ کی تلقین کی۔

* ورکشاپ کو دلچسپ اور مفید تر بنانے کے لئے مسلسل تیسرے روز بھی علمی زیارت کا انتظام تھا۔ آج لاہور میں عرصہ دراز سے مصروفِ عمل دار الدعوة السّلفیہ اور مکتبہ سلفیہ کا پروگرام تھا، اسی ادارے سے ہفت روزہ الاعتصام بھی شائع ہوتا ہے اور لاہور کی اہم دینی لائبریری بھی یہیں قائم ہے۔ یہاں بھی شرکا کو علم وطباعت کے میدان میں مکتبہ کی خدمات کا تعارف کرایا گیا اور دارالدعوة کی دینی سرگرمیوں کی جامع رپورٹ پیش کی گئی۔

چھٹا روز جمعرات: ۲۸ رجولائی ۲۰۰۵ء

*ورکشاپ کے آخری روز مکتب ُالدعوة اسلام آباد کے <u>ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر</u> نے 'عقل اور اسلام میں اس کا دائرہ کار' کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے انسانی زندگی میں عقل کے کردار اور اس کی اہمیت کا تذکرہ کیا۔ت اُنہوں نے عقل کے صحیح استعمال کو معاشرہ اور علمی دنیا کے لئے بے حد مفید اور عقل میں افراط وتفریط کے رویہ کو معاشرہ اور علمی دنیا کے لئے وبال اور انتہائی مہلک قرار دیا۔

اُنہوں نے کہا کہ عقیدہ اور عمل کے درست ہونے کے لئے خود علم، مصادرِ علم اور منہج تلقی کا درست ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ بعض لوگوں نے عقل دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے وحی کے بجائے اوہام، کشف، وجدان، ذوق اور خوابوں کو مصدرِ علم اور اصل دین قرار دیا تو بعض نے اپنے جیسے انسانوں کو مقدس، معصوم اور عالم الغیب سمجھ کر انہیں مصدرِ علم سمجھ لیا۔

اس کے برعکس بعض لوگوں نے عقل پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے وحی، کتاب اللہ اور حدیث کو عقل کے پیمانوں پر پرکھنا شروع کردیا اور پوری اسلامی تاریخ میں سب سے بدترین فتنے عقلانیوں کے اس گروہ نے برپا کئے۔ اُنہوں نے اس گروہ کے سرخیل زمخشری اور باقلانی وغیرہ کے اوہام اور گمراہ کن نظریات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان عقل پرستوں کو وہم پرست اور وسواس و اتباع الہویٰ کے مریض قرار دیا جنہوں نے بے شمار انسانوں کو گمراہ کیا اور پھر اپنے کئے پر ندامت کے آنسو بہاتے اس دنیا سے چلے گئے اور امام غزالیؒ کو المنقذ من الضلال میں آخر یہ اعتراف کرنا پڑا:

① انسانی مصالح کو سب سے بڑھ کر جاننے والے اللہ کے رسولؐ ہیں۔

② رسول اللہ ﷺ نے وہ سب کچھ انسانوں تک پہنچا دیا جو اللہ نے ان پر نازل کیا تھا۔

③ ساری کائنات میں سب سے بڑھ کر کتاب وسنت کے معانی کو جاننے والے صحابہ کرامؓ ہیں، جن کے سامنے قرآن نازل ہوا اور اللہ نے آسمان سے ان کی صفائی پیش کی۔

④ صحابہ کرامؓ نے ان متکلمین کی طرح قرآن کی تاویلات پیش نہیں کیں۔

مولانا نے الہام، کشف، وجدان اور اوہام کی بجائے صرف وحی الٰہی کو مصدرِ علم اور محدثین کے توسط سے اُمت تک پہنچنے والے صحابہ وتابعین کے طریقہ کو منہج تلقی قرار دیتے ہوئے عقل کا کردار یہ بیان کیا کہ اگر عقل کو پس پشت ڈال دیا جائے تو جاہلیت، صوفیت اور رافضیت جنم لیتی ہے اور اگر عقل پر اندھا اعتماد کیا جائے تو ہوا پرستی اور اعتزالیت جنم لیتی ہے۔

اُنہوں نے الٰہیات اور مابعد الطبیعات اُمور کو عقل کے دائرہ سے خارج قرار دیا اور صرف توحید، علم الکلام اور فقہیات اور اجتہادی اُمور کو عقل کا دائرہ کار قرار دیتے ہوئے اس میں عقل سے کام لینے کے لئے درج ذیل اُصولوں کو پیش نگاہ رکھنا ضروری قرار دیا:

① عقل وحی کے تابع ہو۔ ② وحی اور عقل کا رشتہ استاد اور شاگرد کا ہے، وحی کی حیثیت استاد اور عقل کی حیثیت شاگرد کی ہے۔ ③ عقل کا دائرہ زمان ومکان اور حواسِ خمسہ اور عالم السعادت تک محدود ہے، الٰہیات اور عالم الغیب تک رسائی عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔

* ان کے بعد مولانا حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ نے آیاتِ قرآنیہ: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً

﴿مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللهِ...﴾(حم السجدة:٣٣)﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ أَدْعُوْ إِلَى اللهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ...﴾(یوسف:١٠٨) ﴿ اُدْعُوْا إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ...﴾(النحل:١٢٥) سے اپنے خطاب کا آغاز کرتے ہوئے دعوتِ دین کی اہمیت، اس کی حکمتِ عملی، تقاضوں اور شرائط کو بیان کیا اوران اوصاف کا تذکرہ کیا جو ایک داعی کا طرۂ امتیاز ہوتے ہیں۔

اُنہوں نے کہا کہ راہِ دعوت کے راہی کے لئے ضروری ہے کہ ❶ وہ اخلاص وللّٰہیت کا پیکر ہو اور اس کی دعوت مفاد اوراغرض سے بالاتر ہو۔ مقصود لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا اوران پر اپنے علم کی دھاک بٹھانا نہ ہو بلکہ اس کی دعوت اللہ کی طرف اور اللہ کے لئے ہو، نیز داعی کو ہر وقت اپنا محاسبہ اور اللہ سے اخلاص کا سوال کرتے رہنا چاہئے۔

اُنہوں نے قرآنی آیات ﴿عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ اور ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ﴾ اور﴿فَاعْلَمْ أَنَّهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ﴾ اورصحیح بخاری کے باب:العلم قبل القول والعمل سے استدلال کرتے ہوئے داعی کا ایک وصف یہ بیان کیا کہ ❷ اسے اپنی دعوت کا گہرا علم وفہم اور شعور یقین کی حد تک حاصل ہو، اور ❸ یہ کہ اس دعوت کی صداقت اور حقانیت اس کے دل ودماغ اور رگ وپے میں اس حد تک سرایت کرجائے کہ مصائب کی آندھیاں اور زمانہ کی گردشیں اس کے پاؤں میں لغزش پیدا نہ کرسکیں اور اس دعوت کے غالب آنے کا اسے مکمل یقین ہو، جیسا کہ خبابؓ نے جب اپنا زخموں سے چھلنی جسم رسول اللہ ﷺ کو دکھایا تو آپؐ نے فرمایا تھا: ''یہ دعوت سچی دعوت ہے، یہ ضرور غالب آئے گی۔ پھر ایک عورت صنعا سے مکہ تک تنہا سفر کرے گی اور اسے کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ اے خباب! پہلے لوگوں کے گوشت کنگھیوں سے نوچے گئے، وہ آروں سے چیرے اور ذبح کئے گئے، لیکن یہ مصائب انہیں دین سے ہلا نہ سکے۔ خباب! صبر کرو اور جلدی نہ کرو۔''

اور جنگ ِخندق میں ﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللهِ الظُّنُوْنَا﴾ جیسے خوفناک حالات میں آپؐ کا قیصریٰ وکسریٰ اور خیبر کی تباہی کی پیش گوئی کرنا، آپؐ کا اپنی دعوت کی صداقت اور اس کے غلبہ پر یقین محکم کا آئینہ دار ہے۔

اُنہوں نے قرآنی آیات ﴿إِنَّ صَلوٰتِي وَنُسُكِي...وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الانعام:۱۶۲،۱۶۳) ﴿أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (البقرۃ:۴۴) ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ اور متعدد احادیث اور عربی اشعار کا حوالہ دیتے ہوئے داعی کا ❹ چوتھا وصف یہ بیان کیا کہ وہ خود بھی اپنی دعوت پر مکمل طور پر عامل ہو، ورنہ جہاں یہ دعوت بے اثر ہوکر رہ جائے گی، وہاں یہ بے عملی اس کے لئے تباہ کن ثابت ہوگی۔

اُنہوں نے کہا کہ داعی کو چاہئے کہ وہ سورۂ مزمل کو اپنی زندگی کا دستور بنالے جس میں ایک داعی کے لئے نوافل، قیام اللیل، قرآنِ کریم کی تلاوت، اس میں غوروفکر اور بکثرت اللہ کے ذکر کی تلقین کی گئی ہے اور یہ چیزیں دعوت کے لئے نہایت اثر انگیز ثابت ہوتی ہیں۔

اُنہوں نے کہا کہ ماحول کے بد اثرات اور شیطانی ہتھکنڈوں سے بچنے اور اپنی روحانیت اور ایمان کو برقرار رکھنے کے لئے بھی داعی کو ان اعمال کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ﴿أَقِمِ الصَّلوٰةَ لِذِكْرِيْ﴾ (طہٰ:۱۴) اور ساتھ ہارونؑ کو ﴿وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ﴾ (طہٰ:۴۲) کی تلقین کی تھی۔ اُنہوں نے ایک بزرگ کا قول بیان کیا کہ ''جس طرح ایک درخت کو پھل نہیں لگتا بلکہ اس کا اثر اس کے اندر رہتا ہے مثلاً گنا، لیکن جس درخت کو پھل یا پھول لگتے ہیں وہ اندر سے کڑوا ہوجاتا ہے اور مٹھاس پھل کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، اسی طرح داعی بھی ایک ثمر بار درخت کی طرح لوگوں کو پھل پھول تقسیم کرتا ہے اور اسے اپنے آپ کو کڑواہٹ سے بچانے اور اپنے اندر مٹھاس پیدا کرنے کیلئے ان اعمال کا التزام کرنا چاہیے۔

❺ اُنہوں نے قرآنی آیات ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ (طہٰ:۴۴) ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا...﴾ (آلِ عمران:۱۵۹) ﴿إِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ...﴾ (فصلت:۳۴) ﴿وَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ (الحجر:۸۵) ﴿وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ (المزمل:۱۰) اور طائف کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ جو بروایتِ عائشہؓ آپؐ کی زندگی کا مشکل ترین دن تھا کا حوالہ دیتے ہوئے داعی کے لئے حلیم الطبع، رقیق القلب اور پیکرِ صبر وضبط ہونا ضروری قرار دیا۔

اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور سلف کے ایسے واقعات بیان کئے جن سے ایک داعی کو

گالیاں سن کے بھی بے مزا نہ ہونے اور گالیوں کے جواب میں دعائیں دینے کا سبق ملتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ داعی کو ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلٰى أٰثَارِهِمْ﴾ (الکہف:٦) کا عملی نمونہ ہونا چاہئے۔

☜ اس کے بعد اُنہوں نے **دعوت کی حکمتِ عملی** بیان کرتے ہوئے فرمانِ الٰہی: ﴿أُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ (النحل:١٢٥) میں 'حکمت' کی یہ وضاحت کی کہ داعی عقل وفطرت اور انفس وآفاق کے دلائل و براہین نیز عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ حق کو ثابت کرے اور موعظہ حسنہ کا مطلب یہ بیان کیا کہ داعی مخاطبوں کی تباہی کے غم میں گھلتے ہوئے تذکیر بأیام الله، تذکیر بالقرآن اور تذکیر بآلاء الله کے ساتھ سامعین کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے ان کے دل پر چوٹ کرے۔

اُنہوں نے کہا کہ اگر مخاطب کسی ذہنی اور فکری شبہ کا شکار ہے اور اسے حق سجھائی نہیں دے رہا تو پھر اس کے ساتھ مجادلہ ہونا چاہیے اور وہ اس طرح کہ اسے مسلمات سے منازعات کی طرف اور پھر آخر کار ایسی جگہ پر لے آیا جائے کہ وہ سوچنے پر مجبور ہوجائے۔

❷ اُنہوں نے قرآنی آیت ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (القلم:٧) سے استدلال کرتے ہوئے دعوت کی دوسری حکمتِ عملی یہ بیان فرمائی کہ داعی کو مخاطب پر گمراہ، جہنمی وغیرہ کے فتوے لگانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ یہ داعی کا نہیں، مفتی کا کام ہے۔ داعی کے لئے دستور یہ ہے کہ ﴿إِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ...﴾ (البقرة:٢٠٨)

❸ نیز اُنہوں نے دعوت کی ایک حکمتِ عملی یہ بیان کی کہ داعی تبلیغ وتبیین میں کتمانِ حق اور مداہنت سے کام نہ لے۔ اہم ترسے اہم ترین کے اُصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے ﴿أُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ کو ہدف بنائے اور «صلاح أول هذه الأمة بالزهادة واليقين وهلاك آخرها بالبخل والأمل»☆ (صحیح ترغیب وترہیب ٣٣١٥) کے تحت توحید باللہ، اطاعت رسول اللہ ﷺ کے جذبہ اور شرک سے نفرت کے ساتھ ساتھ بقول رسول ﷺ

☆ ترجمہ: ''اس امت کے پہلے شخص کی اصلاح زہد اور موت کے ... ہوئی اور اس اُمت کے آخری شخص کی ہلاکت کا سبب بخل اور دنیا کی حرص ہوگی۔''

سب سے بڑے فتنہ «حب الدنيا وكراهية الموت» کا علاج کرے،لیکن اس کے ساتھ تدریج اور آسانی کا اُصول فراموش نہ کرے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ بنوثقیف کو نماز کی تو نہیں لیکن فی الحال زکوٰۃ اور جہاد سے رخصت دے دی تھی۔

مولانا کا خطاب انتہائی اثر انگیز تھا جسے سامعین نے مسك الختام قرار دیا۔

* اس کے بعد ورکشاپ میں دیے گئے محاضرات میں سے ۲۵ سوالات پر مشتمل سوال نامہ تیار کیا گیا۔ ورکشاپ میں شریک تمام مبلغین نے پوری ذمہ داری سے امتحان میں حصہ لیا اور رزلٹ میں اکثر شرکا کی کارکردگی عمدہ اور قابل تحسین تھی۔

☜ عین اسی روز مجلس التحقیق الاسلامی کے دوسرے ہال میں دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد اور انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز کے اشتراک سے جامعہ لاہور الاسلامیہ کے زیراہتمام لاہور کے تمام دینی مدارس کے مہتمم اور منتظمین کا ایک روزہ ورکشاپ بھی چل رہا تھا جس کی رپورٹ بھی مستقل طور پر اسی شمارے میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

چھٹے روز دو اہم خطابات اور امتحان کے انعقاد کے بعد یوں تو صبح کا سیشن تمام ہو چکا تھا لیکن مسلسل چھ روز کی لگاتار مصروفیت کی وجہ سے شرکا تھک چکے تھے، ویسے بھی پاکستان بھر میں اپنے مراکز میں پہنچ کر انہیں اگلے روز جمعہ کا خطبہ دینا تھا، اس لئے متصل بعد ہی ورکشاپ کی اختتامی تقریب کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔

اس تقریب سے قبل تمام شرکا میں ورکشاپ کے بارے میں تجزیہ وتبصرہ فارم تقسیم کئے گئے، جس میں ہر پہلو سے ان سے تجاویز اور آرا طلب کی گئیں۔ دو صفحات میں پھیلے اس تبصرہ فارم کو تمام شرکا نے پر کیا اور ورکشاپ کے انتظامات کو سراہتے ہوئے ہر دینی ادارے میں ایسی ہی ورکشاپ منعقد کرنے کی تجاویز پیش کیں۔

اختتامی تقریب جمعرات بوقتِ ظہر

دینی مدارس کے مہتمم اور منتظمین کی ورکشاپ میں تشریف لائے ہوئے جناب قاری احمد میاں تھانوی جو لاہور میں دار العلوم الاسلامیہ کے نائب مہتمم اور ملک کے ممتاز قاری ہیں، کی ... ت تلاوت قرآن مجید سے اختتامی تقریب کا آغاز ہوا۔

* جامعہ لاہور الاسلامیہ کے مدیر **حافظ عبدالرحمن مدنی** نے اختتامی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ایسی ورکشاپوں کے قیام کو سراہا اور شرکاے ورکشاپ، علما کرام اور دعاۃ کو خراجِ تحسین پیش کیا جو محض رضاے الٰہی کے لئے ملک کے کونے کونے سے یہاں تشریف لائے۔

اُنہوں نے کہا کہ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے آپ کو اپنے دین کے لئے قبول کرلیا ہے۔ دنیا تو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دیتا ہے لیکن دین کی دولت صرف اسی خوش بخت کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کا پسندیدہ اور برگزیدہ ہوتا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ آپ انبیا کے وارث ہیں اور بہت بڑی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر ہے۔ جس طرح اس ذمہ داری کو نبھانا عظمت کا باعث ہے، اسی طرح اس میں کوتاہی بھی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ لہٰذا علم کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کریں اور اس کے مطابق اپنے عمل کو ڈھال کر لوگوں کے سامنے اُسوۂ نبویؐ پیش کیجئے ورنہ اس کے بغیر اسلام کی دعوت کو پھیلانا ممکن نہ ہوگا۔

* بعد ازاں تقریب کے مہمان خصوصی **مولانا حافظ عبدالرشید اظہر** کو پروگرام کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے طالب علمی کو عظیم اعزاز قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس ورکشاپ کے شرکا، علما اور دعاۃ اس لحاظ سے انتہائی خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حصولِ دین کا موقع عطا فرمایا اور وہ بھی تدریس کے اس دور میں کہ جب انسان دوسروں سے پوچھتے ہوئے حجاب اور جھجک محسوس کرتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ عملی زندگی میں سرگرم حضرات کے لئے ایسی ورکشاپیں حیاتِ نو کے مترادف ہیں کہ جن میں آدمی برسہا برس سے ذہن میں اُٹھنے والے سوالات کا حل دریافت کرسکتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ اس لحاظ سے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اللہ نے حاملین دین کے لئے آخرت میں تو بہترین بدلہ رکھا ہی ہے [illegible] کی جماعتیں جنت میں ﴿سَلٰـمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ (الزمر: [illegible]) کے الفاظ سے ان کا استقبال کریں گی لیکن اس کے ساتھ اللہ نے اس دارالعمل (دنیا) میں بھی اُنہیں عزت وشرف سے نوازا ہے اور دُنیا کو آپ کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ لہٰذا آپ اپنے محسنین کو دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں جنہوں نے آپ کے لئے تعلیم وتربیت اور ایسی قیمتی ورکشاپ کا انتظام کیا ہے۔

* آخر میں اس ورکشاپ کے آرگنائزر **حافظ محمد اسحق زاہد** کو اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی۔

اُنہوں نے ان تمام علماے کرام اور پروفیسر حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر شرکاے ورکشاپ کو اپنے علم سے مستفید کیا۔ اُنہوں نے جمعیہ احیاء التراث الاسلامی جس کی طرف سے یہ ورکشاپ منعقد کی جارہی تھی، کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ کویت کے اس ادارہ کا نام سلفی تنظیموں میں سرفہرست ہے اور اس کی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ماہانہ اور ہفتہ وار مختلف دروس کا اہتمام، سیٹلائٹ کے ذریعے سعودیہ کے کبار علما کے براہِ راست دروس، مکتبہ طالب العلم کے ساتوں حصوں کی ہزاروں کی تعداد میں تقسیم، غیر ملکی اور خصوصاً اُردو دان طبقہ کے لیے ہفتہ وار ۳۶ دروس، یہ اس ادارہ کی اندرونِ کویت سرگرمیاں ہیں۔ نیز پوری دنیا میں مدارس اور مساجد کی تعمیر، سلفی دعوت کا اہتمام کرنے والے دعاۃ کی کفالت، مؤسسۃ الفرقان الخیریہ پشاور کے تحت تحفیظ القرآن کے ۷۰ حلقات کا قیام اور ان طلبہ حفظِ قرآن کی کفالت، یہ اس ادارہ کی بیرونِ کویت سرگرمیاں ہیں۔ اُنہوں نے بتایا کہ ادارہ کا تیسرا کارنامہ مختلف زبانوں میں ترجمہ القرآن کی طباعت ہے اور ادارہ کا چوتھا کام دنیا بھر میں اس طرح کی تربیتی ورکشاپس کا انعقاد ہے۔ آخر میں جہاں اُنہوں نے ادارہ کے مسؤلین کی خدمات کو سراہا، وہاں اپنے استاد حافظ عبد الرحمن مدنی کے کردار کو بھی خراجِ تحسین پیش کیا جنہوں نے ورکشاپ کے انعقاد میں اپنی خدمات پیش کیں۔

☆ ورکشاپ کے شرکا کے لئے مختلف تحائف اور انعامات کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ مکتب الدعوۃ اسلام آباد، مکتبہ دار السلام لاہور، لجنۃ الدعاۃ گوجرانوالہ اور ادارۂ محدث کے علاوہ اُردو ڈائجسٹ لاہور کی طرف سے دینی کتب، قرآنِ کریم اور رسائل وجرائد کے تازہ شماروں کے تحائف کے بنڈل بنائے گئے تھے۔ جس کے ساتھ ہر داعی کو ایک خوبصورت بیگ کا تحفہ بھی دیا گیا۔ امتحان، مقابلہ معلومات میں پوزیشنیں حاصل کرنے اور پروگرام میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے ۱۴ دعاۃ کو خصوصی انعامات دیے گئے اور سب شرکا کو اسناد عطا کی گئیں۔

جامعہ لاہور الاسلامیہ کے ۲۰ سے زائد اساتذہ اس پروگرام کی تنظیم میں مصروف تھے۔ ان میں سے بہترین انتظامی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے ۷ اساتذہ کو بھی خصوصی انعام عطا کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ علمی، فکری، تربیتی اور ہر لحاظ سے نہایت خوبصورت ورکشاپ دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ ▣